

شیرز کی خرید و فروخت — اسلامی نقطہ نظر

خالد سیف اللہ رحمانی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف قسم کی صلاحیتوں اور نعمتوں سے نوازا ہے، قدرت کی اسی تقسیم کا حصہ یہ بھی ہے کہ بعض لوگوں کے پاس سرمایہ ہوتا ہے، لیکن کام کا تجربہ اور تجارت کو فروغ دینے کی صلاحیت نہیں ہوتی، بعض حضرات تجارت اور کاروبار کی صلاحیت رکھتے ہیں، لیکن ان کے پاس اتنی دولت نہیں ہوتی کہ وہ خود کوئی تجارت کر سکیں، ایسے مواقع پر اگر دو طرح کے افراد اپنی صلاحیت کو جمع کر دیں، دولت مند مالی وسائل فراہم کریں، ماہرین افرادی قوت مہیا کریں، تو اس اشتراک سے تجارت کو فروغ حاصل ہوتا ہے اور دونوں فریق کو اس کا نفع پہنچتا ہے، اگر سرمایہ اپنی جگہ رکھا رہے اور تجربات کی صلاحیت کو اپنا جوہر دکھانے کا موقع نہیں ملے، تو دونوں فریق میں سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچے گا اور کاروبار میں سرمایہ کے استعمال نہ ہونے کی وجہ سے سماج بھی اس کے فائدہ سے محروم رہے گا؛ کیوں کہ کاروباری ترقی بالواسطہ پورے سماج کو فائدہ پہنچاتی ہے، اس سے لوگوں کو روزگار فراہم ہوتے ہیں، مارکیٹ میں مسابقت پیدا ہونے کی وجہ سے قیمتوں میں توازن قائم رہتا ہے اور صارفین کو معیاری اشیاء حاصل ہوتی ہیں۔

اسی لئے قدیم زمانہ سے تجارت اور کاروبار میں شرکت کا طریقہ مروج رہا ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے شرکت اور پارٹنرشپ کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب دو شخص اشتراک کے ساتھ کاروبار کرتے ہیں، تو ان میں کا تیسرا خدا ہوتا ہے، ”أنا ثالث الشريكين مالم یخن أحدہما صاحبه، فإذا خان خرجت من بینہما“ (۱) یعنی جب تک امانت و دیانت کے ساتھ شرکت کا کاروبار ہوتا رہے، اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوتی ہے۔

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۳۰/۶، حدیث نمبر: ۱۱۴۲۳

پہلے زمانہ میں عام طور پر چھوٹے کارخانے قائم ہوتے تھے، تجارت کا دائرہ بھی محدود تھا؛ اس لئے کم سرمایہ کاروبار کے لئے کافی ہو جاتا تھا، لیکن موجودہ دور میں بڑے بڑے کارخانے قائم ہونے لگے، جن میں کئی کئی ہزار روکرس ہوتے ہیں، تجارت کا دائرہ بھی وسیع ہوا، موجودہ دور میں تجارتی کمپنیاں نہ صرف ایک ریاست اور ایک ملک کے مختلف علاقوں میں کام کرتی ہیں، بلکہ بعض اوقات تو ان کی تجارت کا دائرہ پوری دنیا تک وسیع ہوتا ہے، گلوبلائزیشن اور تجارت کے سلسلہ میں عالمی معاہدات نے تجارت کی وسعت کو اور بھی بڑھا دیا ہے، ان حالات میں کاروبار کے لئے بڑے سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے، محض دوچار افراد کا اتنا سارا سرمایہ اکٹھا کرنا دشوار بھی ہوتا ہے اور ان کی معیشت کے لئے پُرخطر بھی، — دشوار رقم حاصل ہونے کے اعتبار سے، اور پُرخطر اس لئے کہ اگر خدا نخواستہ کاروبار میں نقصان ہو تو چند افراد کے لئے اتنا بڑا نقصان اٹھانا ممکن نہیں ہے۔

صورتِ مسئلہ

اسی پس منظر میں ایسی کمپنیاں قائم ہونے لگیں، جو اپنے شیئرز فروخت کرتی ہیں، گویا کمپنی اپنے مختلف حصے مختلف افراد کو فروخت کرتی ہے، یہ حصے ہزاروں کی تعداد میں ہوتے ہیں، ان سب کا سرمایہ کاروبار میں شریک رہتا ہے، اس سے کمپنی کو دو بڑے فائدے ہوتے ہیں، ایک تو بہت بڑی رقم اسے آسانی سے فراہم ہو جاتی ہے، جس کا چند افراد سے حاصل ہونا یا قرض کے ذریعہ حاصل ہونا دشوار تھا، دوسرے: نقصان کا خطرہ ہزاروں آدمیوں پر تقسیم ہو جاتا ہے، چند افراد کے لئے اتنا نقصان برداشت کرنا دشوار تھا، لیکن یہی نقصان جب چند ہزار پر پھیل گیا تو اب اس کا برداشت کرنا چنداں دشوار نہیں رہا، دوسرا فائدہ سرمایہ داروں کو ہوتا ہے کہ انہیں گھر بیٹھے تجارت میں شریک ہونا اور اپنے سرمایہ پر نفع اٹھانے کا موقع ملتا ہے؛ اس لئے آج کل اسٹاک مارکٹ کو بڑا فروغ حاصل ہو رہا ہے، اور شیئرز کی خرید و فروخت تجارت کا نہایت مقبول شعبہ بن چکا ہے۔

چوں کہ ایک دفعہ شیئرز خریدنے کے بعد یہ بات ممکن نہیں ہے کہ وہ کمپنی کو اپنا شیئر واپس کر کے اپنے پیسے لے لے اور کمپنی سے اپنی شرکت ختم کر دے؛ اس لئے شیئرز کی خرید و فروخت کے لئے ایک

خاص بازار قائم کیا گیا ہے، جس کو اسٹاک ایکسچینج (Stock Exchange) یا ”بازار حصص“ کہتے ہیں، اب یہ بات بھی ممکن ہے کہ دو افراد کسی واسطہ کے بغیر شیئر کی خرید و فروخت کا معاملہ کریں، جیسا کہ عام طور پر چیزیں خریدی اور بیچی جاتی ہیں، لیکن عام طور پر شیئر کی خرید و فروخت ادارہ کے واسطہ سے ہوتی ہے اور وہ ادارہ یہی اسٹاک ایکسچینج ہے، اسٹاک ایکسچینج میں بہت سی کمپنیوں کے شیئرز خرید و فروخت کے لئے موجود ہوتے ہیں، جن کو Listed companies کہا جاتا ہے، جن کمپنیوں کے شیئرز اسٹاک ایکسچینج نہیں لیتا ہے، ان کو Unlisted companies کہتے ہیں، — یہ بات بھی اہم ہے کہ چونکہ شیئر کی خرید و فروخت آج کل وسیع تجربہ کی متقاضی ہو گئی ہے، پھر شیئر مارکٹ کی اپنی مخصوص اصطلاحات ہیں، جن سے ہر شخص واقف نہیں ہوتا؛ اس لئے ہر آدمی اپنی مرضی سے اسٹاک ایکسچینج میں خرید و فروخت نہیں کر سکتا؛ بلکہ ضروری ہے کہ وہ اس کا ممبر بھی ہو، اسٹاک ایکسچینج کے ممبر خود اپنے لئے بھی شیئرز خرید سکتا ہے اور کمیشن لے کر دوسروں کے لئے بھی شیئرز خرید سکتا ہے، گویا وہ دلال کا کردار بھی ادا کر سکتا ہے۔

چوں کہ بروکر کی حیثیت اس صورت میں اصل شیئر خریدنے والے کے وکیل کی ہوتی ہے؛ اس لئے اصل خریدار کی ہدایات کے دائرہ میں ہی بروکر شیئرز کی خرید و فروخت کرتا ہے، خریدار کی ہدایات کی روشنی میں بروکر کا رول تین طرح کا ہوتا ہے، ایک صورت یہ ہے کہ خریدار کسی خاص کمپنی کے شیئر خریدنے کا پابند بنادے، خواہ اس کی جو بھی قیمت ہو، اس کو Market order کہا جاتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ ایک مقررہ قیمت پر شیئرز خریدنے کا آرڈر دیا جائے اور اس سے زیادہ قیمت پر خریدنے کی ممانعت ہو، اس صورت کو Limited order کہا جاتا ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ بروکر کو وکیل بنایا جائے کہ اگر اس کے شیئرز کی قیمت قائم رہے یا بڑھتی رہے تو اسے بیچا نہ جائے اور گرنے لگے تو بیچ دیا جائے، اس صورت کو Stop order کہتے ہیں۔

شیئر کی قیمت اور اس کی قدر اصل میں تو کمپنی کے اثاثہ سے متعلق ہے، کمپنی کا اثاثہ جتنا بڑھے گا، شیئرز کی قیمت میں اتنا اضافہ ہوگا، اس کے علاوہ بازار کے عام اصول کے مطابق طلب اور رسد سے بھی اس کا تعلق ہوتا ہے، اگر کسی کمپنی کے شیئر کی طلب مارکٹ میں بڑھ جائے اور شیئر کی مقدار نسبتاً کم ہو تو قیمت بڑھ جائے گی اور اگر مقدار کے اعتبار سے طلب کم ہوئی تو قیمت گھٹ جائے گی، لیکن اس کے ساتھ

ساتھ مصنوعی طور پر بھی شیئرز کی قیمت میں اضافہ اور کمی ہوتی ہے، انواہیں پھیلا کر خریداروں کو باور کرایا جاتا ہے کہ فلاں کمپنی کے شیئرز کی قیمت بہت بڑھنے والی ہے؛ اس لئے اسے زیادہ سے زیادہ خرید کر لینا چاہئے، اس کے نتیجہ میں اس کمپنی کے شیئرز کی طلب بڑھ جاتی ہے، اور اس کی وجہ سے قیمت میں اضافہ ہو جاتا ہے، اسی طرح آج کل سیاسی حالات بھی شیئرز کی قیمت پر اثر انداز ہوتے ہیں؛ کیوں کہ سیاسی استحکام اور عدم استحکام کا معاشی حالات پر گہرا اثر پڑتا ہے۔

شیئرز کی نسبت سے بعض اسکیئنڈل بھی منظر عام پر آئے؛ اس لئے حکومت نے شیئر ہولڈرس کو نقصان اور دھوکہ سے بچانے کے لئے متعدد قوانین بنائے ہیں، آج کل شیئر خریدنے والے بروکر کو اپنی رقم حوالہ نہیں کرتے؛ بلکہ اس کے اکاؤنٹس سے رقم نکلتی ہے اور شیئر فروخت ہونے کے بعد اسی کے اکاؤنٹ میں رقم جمع ہو جاتی ہے، نیز ایک مستقل اکاؤنٹ شیئرز کے لئے ہوتا ہے، جیسے Demat کہا جاتا ہے، کو بیٹی شیئرز اسی میں جمع ہوتے ہیں، اس طرح شیئر کی منتقلی کا مرحلہ کم وقت میں طے ہو جاتا ہے اور خرید برد کا امکان بھی کم رہتا ہے۔

شیئرز خرید کرنے کے مقاصد کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے؛ کیوں کہ بعض خریدار کمپنی کا نفع حاصل کرنے کے لئے شیئرز خریدتا ہے، لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے، زیادہ تر لوگ شیئرز اسی لئے خریدتے ہیں کہ وہ اسے زیادہ نفع کے ساتھ فروخت کر دیں گے۔

شیئرز کی خرید و فروخت کے شرعی احکام کے سلسلہ میں اس پہلو کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ قیمت کے نقد و ادھار رکھنے کے اعتبار سے اس کو خریدنے کی تین صورتیں ہوتی ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ خریدار نے نقد قیمت ادا کر دی ہے اور بیچنے والے نے اسے وصول کر لیا، اصطلاح میں اسے Spot sale یعنی ”حاضر سودا“ کہتے ہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ قیمت کا کچھ حصہ ادا کر دیا اور باقی ادھار رکھا، گویا باقی رقم بروکر اصل خریدار کو بطور قرض کے دیتا ہے، بروکر کبھی اس پر سود لیتا ہے اور کبھی نہیں لیتا، یا کبھی کچھ دنوں تک سود نہیں لیتا اور اس سے تاخیر ہو جائے تو سود لیتا ہے، اس کو Margin Sale کہتے ہیں، تیسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس ابھی مطلوبہ شیئرز موجود نہیں ہے، لیکن پھر بھی وہ اس توقع پر شیئرز بیچتا ہے کہ سودا طے ہو جانے کے بعد یہ شیئرز حاصل کر لے گا اور پھر اسے فروخت کر دے گا، اس صورت کو

Short Sale کہا جاتا ہے، جو حقیقت میں شیئرز کا مالک بننے سے پہلے ہی اس کا فروخت کر دینا ہے۔ شیئرز کے خریدنے کی ایک صورت وہ بھی ہے جسے Forward Sale یعنی ”غائب سودا“ کہتے ہیں، حاضر سودے میں تو فوری طور پر خرید و فروخت ہو جاتی ہے، خریدی ہوئی چیز خریدار کے تصرف میں آ جاتی ہے اور سارے حقوق اس سے متعلق ہو جاتے ہیں اور غائب سودے میں خرید و فروخت کا معاملہ طے ہو جاتا ہے، لیکن اس کی نسبت مستقبل کی طرف ہوتی ہے، خریدار کو مستقبل میں قبضہ کے حقوق حاصل ہوتے ہیں، متعین تاریخ پر شیئرز خریدار کے حوالہ کر دئے جاتے ہیں اور ان سے قیمت وصول کر لی جاتی ہے بعض اوقات؛ بلکہ آج کل اکثر اوقات یہ ہوتا ہے کہ جو تاریخ قیمت ادا کرنے اور شیئرز حاصل کرنے کی ہو، اس تاریخ کی قیمت اور طے شدہ قیمت کے درمیان فرق کو برابر کر لیتے ہیں اور حقیقت میں شیئرز اپنے قبضہ میں نہیں لیتے، جیسے یکم جون کو معاملہ طے پایا، بیس جون شیئرز پر قبضہ اور قیمت کی ادائیگی کی تاریخ مقرر ہوگئی، یکم جون کو شیئرز کی قیمت دس روپے تھی اور بیس جون کو بارہ روپے یا آٹھ روپے ہوگئی تو بارہ روپے ہونے کی صورت میں بیس جون کو شیئرز فروخت کرنے والا خریدار کو دو روپے فی شیئرز دے کر شیئرز کو اپنی ملکیت میں باقی رکھتا ہے اور اگر آٹھ روپے شیئرز کی قیمت ہوگئی تو خریدار اس دو روپے کے نقصان کو قبول کرتے ہوئے یہ پیسے بیچنے والے کو ادا کر دیتا ہے، وہ نہ شیئرز پر قبضہ حاصل کرتا ہے اور نہ اس کی قیمت ادا کرتا ہے۔

غرض کہ شیئرز خریدنا بنیادی طور پر کاروبار میں شریک ہونا ہے، خود شیئرز کاروبار کا ایک متناسب حصہ ہے، جو خریدار حاصل کرتا ہے اور اس کی جو سرٹیفکیٹ دی جاتی ہے، وہ کمپنی کی طرف سے اس بات کا اقرار ہے کہ اس کے سرمایہ میں اتنا فیصد شیئرز ہولڈرز کی ملکیت ہے، جب شیئرز خریدنے والا شیئرز خرید کرتا ہے، تو وہ اسی متناسب حصہ کو بیچ دیتا ہے، شیئرز کی خرید و فروخت براہ راست بھی ہو سکتی ہے اور بالواسطہ بھی، نقد بھی خرید و فروخت ہوتی ہے اور ادھار بھی، یہاں تک کہ مالک بننے سے پہلے بھی شیئرز فروخت کئے جاتے ہیں، شیئرز خرید کرنے میں کمپنی سے نفع حاصل کرنے کی نیت بھی ہوتی ہے، کسی اور کے ہاتھ نفع کے ساتھ بیچ دینے کی بھی اور بعض اوقات نفع و نقصان برابر کرنے کی بھی، جو گویا ایک طرح کا سٹہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسٹاک آپ بیچیں اور شیئرز کی خرید و فروخت اس وقت ایک بیچ در بیچ معاملہ بن گیا

ہے اور بہت سی اصطلاحات اس سے متعلق ہو گئی ہیں، ان کو علماء اور ارباب افتاء کو سمجھنے کی ضرورت ہے، یہاں صرف شیئرز کی ان صورتوں کو ذکر کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے، جو احکام شرعیہ کے لئے بنیاد و اساس بنتے ہیں اور اسی کی روشنی میں آگے شیئرز کے خرید و فروخت اور اس کی دلالی سے متعلق احکام ذکر کئے جا رہے ہیں۔

شرعی نقطہ نظر

شرعی نقطہ نظر سے شیئر کے سلسلہ میں کئی باتیں قابل توجہ ہیں :

(۱) شیئر کمپنی کی حیثیت کیا ہوگی؟ — اس سلسلہ میں اس عہد کے فقہاء نے یہ نظریہ اختیار کیا ہے کہ جیسے حقیقی شخصیت یعنی انسان کا وجود ہے، معاملات کے انجام دینے میں اسی طرح ایک ”شخصیت قانونی“ بھی ہوتی ہے، یعنی بعض ادارے معاملات کے انجام دینے میں افراد و اشخاص کا درجہ اختیار کر لیتے ہیں، انہیں بھی شخصیت مانا جائے گا، اس کو ”شخصیت اعتباری“ بھی کہا جاتا ہے، فقہ اسلامی میں اس کی نظیریں موجود ہیں، اس سلسلہ میں دو نظیروں کا ذکر مناسب ہوگا، ایک بیت المال، دوسرے وقف، بیت المال سے ملک کے تمام باشندوں کا حق متعلق ہوتا ہے، مگر اس میں موجود مالی وسائل پر کوئی شخص اپنی ملکیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا، بلکہ بیت المال کو اس کا مالک مانا جاتا ہے، اسی طرح بیت المال کے مختلف مدات ایک دوسرے سے قرض لے سکتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ بیت المال میں مالک بننے اور اپنی املاک میں تصرف کرنے کی صلاحیت ہے، اسی طرح وقف کے مصالحوں کے لئے جو چیزیں وقف کی جاتی ہیں، وہی وقف اس کا مالک ہوتا ہے، مثلاً مسجد کو چندہ دیا گیا تو مسجد اس کی مالک ہوگی، مدرسہ کو چندہ دیا گیا، تو مدرسہ اس کا مالک ہوگا، اس طرح گو قانونی شخصیت کی اصطلاح ایک نئی اصطلاح ہے، لیکن اپنی حقیقت کے اعتبار سے اس کا تصور فقہ میں پہلے سے موجود ہے۔

لہذا کمپنی کی حیثیت ایک ”قانونی شخصیت“ کی ہوگی اور اس حیثیت سے کمپنی معاملات کرنے اور قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے تصرف کرنے کی مجاز ہوگی، اسی نسبت سے کمپنی شیئر فروخت کر سکتی ہے اور لوگوں سے رقم حاصل کر سکتی ہے۔

(۲) ”شیر“ کمپنی کے اثاثہ — جس میں سامان تجارت، غیر سیال اشیاء، نقد رقم اور دوسروں کے ذمہ واجب الاداء دیون سب شامل ہیں — میں متناسب حصہ کی ملکیت ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے کمپنی تحلیل ہو جائے تو قانون کی رو سے شیر کے مالک کو کمپنی کی تمام اشیاء میں سے متناسب حصہ کے بقدر مال ملتا ہے، لہذا شیر سرٹیفکٹ کمپنی کے اثاثہ میں متناسب ملکیت کا دستاویز ہے، یہ صرف پیسے وصول ہونے اور اس پیسے کے بقدر کمپنی کے مقروض ہونے کی رسید نہیں ہے، اگر اسے قرض کی رسید مانا جائے، تو ظاہر ہے کہ شیر کی خرید و فروخت اس کی اصل قیمت سے کم یا زیادہ میں درست نہیں ہوگی، بلکہ شیر کمپنی کے اثاثہ میں متناسب ملکیت کا نام ہے؛ اس لئے اس کی خرید و فروخت کم قیمت میں بھی ہو سکتی ہے، زیادہ قیمت میں بھی، نقد بھی اور ادھار بھی۔

(۳) شیر مارکیٹ میں چونکہ خرید و فروخت بروکر کے واسطے سے ہوتی ہے؛ اس لئے بروکر کی حیثیت شیر خریدنے اور بیچنے والوں کے وکیل کی ہے، وکالت کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ وہ محدود اختیارات کے ساتھ بھی وکیل ہو سکتا ہے اور غیر محدود بھی، یہ دونوں صورتیں بروکر کے سلسلہ میں پائی جاتی ہیں، بروکر کو کسی خاص کمپنی کا شیر خریدنے کا پابند بھی کیا جاسکتا ہے، اس پر پابندی لگائی جاسکتی ہے کہ فلاں شیر اس سے زیادہ قیمت میں نہ لے، یا اس سے کم قیمت میں فروخت نہیں کرے، اور اسے آزادی بھی دی جاسکتی ہے کہ وہ اپنی صوابدید سے شیر کی خرید و فروخت کر سکتا ہے اور خرید و فروخت کے لئے کمپنیوں کا انتخاب کر سکتا ہے؛ اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شرعی اعتبار سے بروکر شیر خریدنے اور بیچنے والوں کا وکیل ہوتا ہے؛ لہذا بروکر جو کمیشن لیتا ہے، اس کی حیثیت اجرت کی ہوتی ہے، جو وہ اپنی ذمہ داری ادا کرنے پر حاصل کرتا ہے۔

(۴) فقہی اصطلاح کے اعتبار سے جب کوئی شخص شیر خرید کرتا ہے، تو اس کی حیثیت اس کمپنی میں پارٹنر اور شریک کی ہو جاتی ہے، اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فقہی اعتبار سے شرکت کا اصول یہ ہے کہ اگر کاروبار میں نقصان ہو جائے اور لوگوں کا دین باقی رہ جائے، تو شرکاء کے لگائے ہوئے سرمایہ کے علاوہ اس کے اصل سرمایہ اور املاک سے بھی واجبات ادا کئے جائیں گے، چاہے اس کے لئے اس کا گھر اور زمین کیوں نہ فروخت کرنی پڑے، اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ اگر کمپنی ڈوب جائے اور کمپنی پر لوگوں

کے واجبات باقی رہ جائیں، تو ان واجبات کو صرف کمپنی کے اثاثہ میں سے ادا نہیں کیا جائے، بلکہ شیئر ہولڈرس (جن کی حیثیت کمپنی کے پارٹنرس کی ہے) کی دوسری املاک سے بھی واجبات کو ادا کیا جائے، حالانکہ کمپنی کو قانون کے تحت کمپنی کی املاک کی حد تک ہی واجبات کی ادائیگی کی جاسکتی ہے، — یہ ایک اہم سوال ہے جو شرعی اعتبار سے اٹھایا جاسکتا ہے اور بعض اہل علم نے اٹھایا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب کمپنی کو ایک قانونی شخصیت مان لیا گیا، جو مختلف پارٹنرس کے سرمایہ کو اکٹھا کرنے سے وجود میں آتی ہے، تو واجبات سارے کے سارے صرف کمپنی سے متعلق ہو گئے اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دیوالیہ ہو جائے، یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہو جائے، تو اس شخص کی موجود املاک کی حد تک ہی قرض داروں کا حق محدود ہو جاتا ہے اور ان کے لئے اسی حد تک قرض داروں کو اپنے حقوق حاصل کرنے کی گنجائش ہوتی ہے، اسی طرح کمپنی کا دیوالیہ ہو جانا گویا اس قانونی اعتباری شخصیت کی موت ہے، اس کی ایک نظیر علماء نے اس غلام سے پیش کی ہے، جس کو اس کے مالک نے تجارت کی اجازت دی ہے، کہ وہ اپنے آقا کی ملکیت ہوتا ہے، لیکن اس کی اپنی بھی ایک شخصیت ہوتی ہے، اب اگر اس پر واجبات زیادہ ہو جائیں تب بھی یہ اس غلام ہی تک محدود ہوں گے، مالک سے اس کا مطالبہ کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی۔

(۵) شیئر کی قیمت میں کبھی اضافہ ہوتا ہے اور کبھی کمی ہوتی ہے، بعض اوقات تو فطری طور پر یہ صورت پیدا ہوتی ہے جیسے کمپنی کے اثاثہ کا بڑھ جانا یا کمپنی کے اثاثہ کی قیمت میں اضافہ ہو جانا، یا رسد اور پیداوار کے مقابلہ طلب میں اضافہ ہو جانا، ان صورتوں میں قیمتوں کا اضافہ فطری امر ہے اور ان کے برعکس صورتوں میں قیمتوں کی کمی بھی فطری بات ہے، لیکن — جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، — بعض دفعہ مصنوعی طور پر بھی قیمتیں بڑھائی اور گھٹائی جاتی ہیں، تشہیری وسائل کا استعمال کیا جاتا ہے، افواہیں پھیلائی جاتی ہیں اور اس طرح غیر حقیقی طور پر قیمتوں میں اضافہ یا کمی ہوتی ہے، یہ طرز عمل یقیناً غلط ہے اور گاہکوں کو دھوکہ دینے کی ایک شکل ہے، لیکن محض اس کی وجہ سے اس شیئر کی خرید و فروخت کو ناجائز قرار نہیں دیا جاسکتا، یہ وہی چیز ہے جس کو حدیث میں ”بخش“ سے تعبیر کیا گیا ہے، — یعنی ڈاک (ہراج) میں محض قیمت بڑھانے کے لئے بڑھ کر بولی لگانا — یہ فعل مکروہ ہے، لیکن اگر زیادہ بول پر خرید و فروخت ہو ہی

جائے، تو خرید و فروخت کا معاملہ منعقد ہو جائے گا، ”وصح البیع فی الجمیع ای فی جمیع ما ذکر من قوله و کره النجش إلى هنا ، لأن الكراهة لا تمنع الإنعقاد“ (۱) اسی طرح شیئر کی قیمتوں میں مصنوعی چڑھاؤ یا انحطاط پیدا کرنا مکروہ ہے، لیکن اس کے باوجود خرید و فروخت مکمل ہو جائے گی۔

(۶) کن کمپنیوں کے شیئر خریدے اور بیچے جاسکتے ہیں اور کن کے نہیں؟ — اس سلسلہ میں

چند باتیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں :

(الف) یہ ضروری ہے کہ کمپنی کا بنیادی کاروبار حلال ہو، جیسے شراب کی کمپنی نہ ہو، خنزیر یا مردار کے اجزاء فروخت کرنے کی کمپنی نہ ہو، فلمی کمپنی نہ ہو، ایسی کمپنی نہ ہو جو فحش لٹریچر کی اشاعت کا کام کرتی ہو، سود اور جوے پر مبنی کمپنی نہ ہو، آج کل بینک اور انشورنس کمپنی بھی اپنے شیئر بیچ رہی ہیں، ان کا شیئر خریدنا جائز نہیں ہوگا، اسی حکم میں بہت سے علماء نے تمباکو، سگریٹ، بیڑی، حقہ وغیرہ کو بھی رکھا ہے؛ کیوں کہ یہ چیزیں بعض اہل علم کے نزدیک حرام اور بعض کے نزدیک مکروہ تحریمی ہیں، اور مکروہ تحریمی بھی قریب بہ حرام ہی ہوتا ہے؛ اس لئے اس طرح کی کمپنیوں کے شیئر خریدنا جائز نہیں ہوگا، غور کیا جائے تو اکثر کمپنیوں کا کاروبار حلال ہی پر مبنی ہے؛ اس لئے مسلمانوں کے لئے اس میں سرمایہ کاری کے کافی مواقع ہیں۔

(ب) شریعت میں ایک اصول یہ ہے کہ اگر روپے کی خرید و فروخت روپے کے بدلہ میں ہو تو مساوی مقدار میں ہی اس کا تبادلہ ضروری ہے، اس میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے، جیسے: دس روپے کا دس روپے سے ہی تبادلہ کیا جاسکتا ہے، بارہ روپے یا آٹھ روپے سے اس کا تبادلہ نہیں ہو سکتا۔

کوئی بھی کمپنی جب قائم ہوتی ہے تو ابتدائی مرحلہ میں زیادہ حصہ نقد سرمایہ کا ہوتا ہے، پھر آہستہ آہستہ سامان تجارت یا مشینیں یا دوسرے ٹھوس اثاثے خرید کئے جاتے ہیں، حنفیہ کے یہاں اصول یہ ہے کہ سونا چاندی (جو کرنسی کے حکم میں ہیں) کسی اور شے کے ساتھ مخلوط ہو اور اس کے مقابلہ میں جو سونا یا چاندی یا روپیہ ادا کیا جائے، وہ دوسری اشیاء کے ساتھ مخلوط سونے چاندی کی مقدار سے بڑھ کر ہو، تو یہ خرید و فروخت جائز ہو جاتی ہے؛ لہذا جب تک کمپنی کا سرمایہ نقد رہے یا کم سے کم اس کا معتد بہ حصہ ٹھوس

(۱) مجمع الأنہر: ۷۶۲، کتاب البیوع

اثاثہ کی شکل اختیار نہ کر لے، اس وقت تک شیئر کو اس کی اصل قیمت — جس کو قیمت اسمیہ یا Facevalue کہتے ہیں، — سے زیادہ میں فروخت کرنا جائز نہیں؛ کیوں کہ یہ سود کے دائرہ میں آجائے گا، ہاں جب کمپنی نے اچھا خاصا منجمد اثاثہ حاصل کر لیا، تو اب شیئر کو حسب منشاء فروخت کر سکتے ہیں، احناف کے یہاں اس سلسلہ میں وسعت ہے؛ چنانچہ اگر نقد کے مقابلہ دوسرے فریق کے پاس نقد کے علاوہ تھوڑا بھی دوسری جنس کا سامان موجود ہے تو خرید و فروخت درست ہو جائے گی، نقد کے مقابلہ نقد ہو جائے گا اور باقی نقد اس سامان کے مقابلہ میں شمار کیا جائے گا، ”ولو اشتری سیفا محلی بالفضلة أو لجاما مفضضا بفضة خالصة وزنها أكثر من الحلیة جاز وإن كان وزنها أقل من الحلیة أو مثلها، أو لابدری لا یجوز، کذا فی المحيط السرخسی“ (۱) لیکن چوں کہ کمپنی کے نقد سرمایہ اور ٹھوس اثاثہ کا اندازہ لگانا مشکل ہے؛ اس لئے موجودہ دور کے بعض اہل علم (جیسے: مولانا محمد تقی عثمانی) نے ۲۰ فیصد کو معیار بنایا ہے، یعنی اگر ۲۰ فیصد یا اس سے زیادہ کمپنی کا سرمایہ نقد صورت میں ہو، یا اتنی ہی مقدار نقد واجبات کمپنی کے لوگوں پر باقی ہوں، تو اس شیئر کا اس کی قیمت اسمیہ سے زیادہ یا کم میں فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا، گو ۲۰ فیصد کو معیار مقرر کرنے کے لئے — میرے علم کے مطابق — کوئی دلیل شرعی موجود نہیں ہے، مگر بہ طور احتیاط اسے قبول کیا جاسکتا ہے۔

(ج) شریعت میں جس طرح سود کا لینا حرام ہے، اسی طرح سود کا دینا بھی حرام ہے، آپ ﷺ نے سود لینے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے اور سود دینے والے پر بھی، ”لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربا وموكله وکاتبه ومشاهدیه وقال هم سواء“ (۲) — مسئلہ یہ ہے کہ آج کل تجارتی کمپنیوں کو مختلف وجوہ سے بینک سے لون بھی لینا پڑتا ہے، تو ایسی کمپنی کا شیئر خرید کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں کتاب و سنت میں یا فقہاء کے یہاں کوئی تصریح نہیں ملتی ہے، البتہ عالم اسلام کے ممتاز فقیہ مولانا محمد تقی عثمانی نے اس کے لئے تہائی مقدار کو معیار بنایا ہے کہ اگر کمپنی کے سرمایہ میں ایک تہائی یا اس سے زیادہ لون ہو، تو اس کا شیئر خریدنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ اس میں کثیر سرمایہ سودی قرض کے ذریعہ

(۱) ہندیہ: ۲۳۱/۳۰، نیز دیکھئے: الدر المختار مع رد المحتار: ۲۸۷-۵۲۷

(۲) مسلم: کتاب المساقاة، باب لعن آکل الربا وموكله، حدیث نمبر: ۲۰۹۳، ۲۰۹۴

حاصل کیا گیا ہے اور ایک تہائی کے کثیر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وصیت کے مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک تہائی تک ہی وصیت کی اجازت دی ہے اور اسے بھی کثیر قرار دیا ہے: ”فالثلث والثلث کثیر“۔ (۱) بعض اہل علم کو مولانا عثمانی کی اس رائے پر کلام ہے، اور وہ اس کو درست معیار نہیں مانتے، — مگر اس سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ گوسود لینے اور دینے دونوں کی ممانعت ہے، لیکن دونوں میں فرق ہے، سود لینے کی صورت میں لینے والے کی آمدنی میں حرام جز شامل ہو جاتا ہے اور سود دینے کی صورت میں اس کی اپنی آمدنی میں حرام جز شامل نہیں ہوتا؛ اسی لئے کثیر و قلیل مقدار میں فرق کیا گیا ہے اور اس کے لئے رسول اللہ ﷺ کے ایک ارشاد کو معیار بنایا گیا ہے: اس لئے موجودہ حالات میں یہ ایک بہتر اور قابل عمل رائے ہے۔

(د) اس وقت ایک اہم مسئلہ یہ ہو گیا ہے کہ کمپنیاں اپنی رقم کا کچھ حصہ ریزرو بینک میں ڈپازٹ کرانے پر قانونی اعتبار سے مجبور ہیں، نیز کبھی زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کی غرض سے اپنا فاضل نقد سرمایہ بھی وہ بینکوں کے حوالہ کر دیتی ہیں؛ تاکہ یہ رقم نفع سے خالی نہ رہے اور وہ شیئر ہولڈرز کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچا سکیں، اب ظاہر ہے کہ شیئر ہولڈرز کو جو نفع آتا ہے، اس میں کچھ حصہ بینک سے حاصل ہونے والا سود بھی ہوتا ہے، اسی طرح جب اسے فروخت کیا جاتا ہے تو قیمت کا کچھ جز بینک میں محفوظ رقم اور اس پر حاصل ہونے والے سود کے مقابلے میں ہوتا ہے، چونکہ ابھی — اس حقیر کے علم کے مطابق — ایسی کمپنیاں نہیں ہیں، جو ان چیزوں سے احتراز کرتے ہوئے کاروبار کرتی ہوں، نیز کچھ رقم جو سود پر لگائی جاتی ہے، وہ اصل کاروبار نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس کی حیثیت ضمنی ہوتی ہے؛ اس لئے موجودہ دور کے اہل علم اور فقہاء نے ایسی کمپنیوں سے شیئر خریدنے کی اجازت دی ہے، جن کی معتد بہ رقم بینکوں میں نہیں رکھی گئی ہو، البتہ اس کے ساتھ دو باتیں ضروری ہیں، ایک یہ کہ سود کے ذریعہ جو رقم آتی ہے، اسے بلا نیت ثواب غرباء پر خرچ کر دیا جائے، نیز شیئر فروخت کرنے کی صورت میں ”سود“ کے اس جز کے مقابلہ جو رقم بڑی ہو، اس کو اسی طرح غرباء پر خرچ کر دینا واجب ہوگا، دوسرے: کمپنی کے سالانہ

(۱) بخاری: کتاب الوصایا، باب أن یتروک ورثتہ أغنیاء خیر من أن یتکفوا الناس، حدیث نمبر: ۲۷۴۳،

باب والوصیة بالثلث، حدیث نمبر: ۲۷۴۳، ۲۷۴۴

پروگرام میں زبانی طور پر یا شیئر ہولڈر تحریری طور پر کمپنی سے بینک میں پیسہ ڈپازٹ کرنے سے منع کرے اور اس کے خلاف اپنی ناراضگی کا اظہار کرے، ممتاز فقہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس کو شیئر ہولڈرز کے بری الذمہ ہونے کے لئے کافی قرار دیا ہے۔

غرض کہ اگر کمپنی کا بنیادی کاروبار حلال ہو، اس کے سرمایہ کا غالب حصہ ٹھوس اثاثہ پر مشتمل ہو، سودی قرض کی مقدار ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو اور بینک میں بھی اس کا ڈپازٹ کیا ہو اس سرمایہ (جس پر سود ملتا ہے) ایک تہائی کے اندر ہو تو ایسی کمپنیوں کے شیئرز کا خرید کرنا جائز ہوگا۔

(۵) بعض کمپنیاں اپنے کاروبار کے لئے دو الگ الگ شاخیں رکھتی ہیں، دونوں کا کاروبار الگ ہوتا ہے، دونوں کے شیئرز الگ فروخت کئے جاتے ہیں اور دونوں کے حسابات الگ رکھے جاتے ہیں، جیسے کنگ فیشر ہے، اس کی ایک کمپنی شراب کے کاروبار کی اور ایک کمپنی ہوائی سروس کی ہے، ایسی کمپنیوں کے تحت چلنے والے دونوں کاروبار اگر الگ الگ ہو، ان کا حساب و کتاب بھی علاحدہ رہتا ہو تو جس شعبہ کا کاروبار حلال ہو، اس کا شیئر خرید کرنا جائز ہوگا، یہ ایسے ہی ہے، جیسے ایک دکان میں حلال چیز بھی ملتی ہو اور حرام چیز بھی، تو وہاں سے حلال شیئرز کا خرید کر لینا جائز ہے؛ البتہ اگر یہ دونوں شعبے کام کے لحاظ سے تو الگ ہوں، لیکن حساب و کتاب اور نفع و نقصان دونوں کے مجموعہ کا ہوتا ہو تو پھر یہ جائز نہیں ہوگا؛ کیوں کہ اس میں حرام کاروبار کے نفع کا معتد بہ حصہ ہے، نیز اس کی حیثیت ضمنی نہیں ہے؛ بلکہ وہ بھی مقصود ہے۔

(۷) شیئر خریدنے کے دو مقاصد ہوتے ہیں، ایک مقصد یہ ہے کہ خریدار اس پر اپنی ملکیت باقی رکھے اور کمپنی کی جانب سے وقتاً فوقتاً جو نفع ملتا رہے، اس پر اکتفا کرے جس کو (Devidend) کہا جاتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ شیئر خرید کر اسے فروخت کیا جائے، اس سے جو نفع ہو اسے (Capital Gain) کہتے ہیں، یہ دونوں ہی صورتیں عملاً ممکن ہیں، لیکن زیادہ تر آج کل دوسری صورت مروج ہے، بعض عرب علماء کی رائے ہے کہ ان میں سے پہلی ہی صورت جائز ہے، دوسری صورت جائز نہیں؛ کیوں کہ شیئر کی جو قیمتیں متعین ہوتی ہیں، وہ اکثر حقیقی قیمت نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے اس کی اجازت دینے میں سٹہ بازی کا راستہ کھل جانے کا اندیشہ ہے، لیکن عالم اسلام اور برصغیر کے علماء نے عام طور پر شیئر کے بیچے کو جائز قرار دیا ہے؛ کیوں کہ ایسا نہیں ہوتا کہ شیئر کے پیچھے کوئی مالیت ہی موجود نہ ہو، اور ایسا بھی نہیں ہوتا کہ شیئر

صرف نقد سرمایہ کی نمائندگی کرتا ہو، بلکہ شیئر تجارتی اور صنعتی اشیاء کے متناسب حصہ کی نمائندگی کرتا ہے؛ لہذا جب ان اشیاء کا بیچنا جائز ہے، تو شیئر کا بیچنا بھی جائز ہوگا، اور ظاہر ہے کہ معاملات کا حکم اس کی شکل کے اعتبار سے متعین ہوگا نہ کہ خریدنے والے کی نیت کے لحاظ سے، اگر کوئی شخص انکو خریدے، تو اس کی خرید و فروخت کو جائز ہی قرار دیا جائے گا، ہاں، اگر کسی کی نیت اس سے شراب بنانے کی ہو تو گناہ اس شخص کو ہوگا، اس لئے صحیح یہی ہے کہ کمپنی کے شیئر جس طرح خرید کرنا جائز ہے، اسی طرح فروخت کرنا بھی جائز ہے۔

(۸) شریعت میں خرید و فروخت کا ایک اصول یہ ہے کہ جو چیز وجود میں آچکی ہو، اسی کو بیچا جاسکتا ہے، جس شی کا ابھی وجود ہی نہیں ہو، اس کو بیچنا درست نہیں، اس پس منظر میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ بعض کمپنیاں ابھی وجود میں بھی نہیں آتی ہیں اور اسٹاک ایکسچینج میں لسٹڈ (Listed) ہو جاتی ہیں، ایسی کمپنیوں کا شیئر نہ خریدنا جائز ہوگا اور نہ بیچنا؛ کیوں کہ یہ ایک معدوم شی کی خرید و فروخت ہے، جو اسلام کے اصول تجارت کے خلاف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے: ”نہانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أن أبيع ما ليس عندي“۔ (۱)

(۹) کسی چیز کو فروخت کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ خریدار اس پر قبضہ کر چکا ہو، قبضہ سے پہلے منقولہ اشیاء (جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جاسکتی ہیں) کو فروخت نہیں کیا جاسکتا؛ کیوں کہ جو چیز ابھی قبضہ میں آئی نہ ہو، اس بات کا اندیشہ ہے کہ کسی وجہ سے قبضہ میں آئی نہ سکے اور اس طرح خریدار دھوکہ سے دوچار ہو جائے، دوسرے: عام طور پر چیزیں خرید کر نفع کے ساتھ بیچی جاتی ہیں اور کسی چیز پر نفع اسی وقت حلال ہوتا ہے، جب کہ اس میں نقصان کے خطرہ کو بھی قبول کیا گیا ہو، رسول اللہ ﷺ نے ایسے نفع کو ممنوع قرار دیا ہے، جس میں انسان نقصان کا ضامن نہ ہو: ”نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ربح مالٍ یضمن“ (۲)۔ اس لئے یہ بات ظاہر ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے شیئر کو بیچ دینا جائز نہیں ہوگا۔

(۱) ترمذی، حدیث نمبر: ۱۲۳۳ (۲) نسائی: کتاب البیوع، باب شرطان فی بیع واحد وهو

أقول أبيعك هذه السلعة إلى شهر بكذا وإلى شهرين بكذا حدیث نمبر: ۳۶۳۱

لیکن سوال یہ ہے کہ شیئر پر قبضہ کب تصور کیا جائے گا؟ — قبضہ کی دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک یہ کہ محسوس طور پر کوئی شی کی کسی کی گرفت میں آجائے، اسے ”حسی قبضہ“ کہتے ہیں، دوسری صورت ”معنوی قبضہ“ کی ہے، معنوی قبضہ یہ ہے کہ قانونی اعتبار سے کسی شخص کو مقبوضہ شی کا مالک و قابض تسلیم کر لیا جائے، اور اس میں ہونے والا نقصان اس شخص سے متعلق ہو جائے، یہ بات ظاہر ہے کہ شیئر میں کمپنی کے باقی رہتے ہوئے حسی قبضہ حاصل ہونا ممکن نہیں، مثلاً ایک صنعتی کمپنی ہے جو اپنے متعلقات کے ساتھ کڑوروں روپے مالیت کی ہے، اب اگر ایک شخص نے پانچ ہزار روپیہ کا شیئر خریدا، تو اسے اس مشینری کا کوئی چھوٹا سا حصہ کیسے نکال کر حوالہ کیا جاسکتا ہے؟ اس لئے شیئر میں قبضہ معنوی ہی ممکن ہے، اور آج کل چون کہ ”آن لائن“ شیئر کی خرید و فروخت ہوتی ہے، خریدنے کے ساتھ ہی شیئر اس کے نام پر منتقل ہو جاتا ہے اور منتقل ہونے کے بعد شیئر کی قیمت بڑھ بھی سکتی ہے اور کم بھی ہو سکتی ہے اور نفع و نقصان دونوں اس سے متعلق ہوتا ہے، اگر وہ بیچنا چاہے تو بلا تاخیر خریدار کو حوالہ بھی کر سکتا ہے، اس لئے بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شیئر کا اس کے نام پر آجانا اور نفع و نقصان کا اس سے متعلق ہو جانا قبضہ معنوی ہے اور اس درجہ کا قبضہ حاصل ہو جانے کے بعد اسے فروخت کرنا جائز ہو، لیکن صورت حال یہ ہے کہ اس صورت میں اسٹاک ایکسچینج میں سودوں کے کمپیوٹرائزڈ ریکارڈ — جیسے (KAT) کہتے ہیں — میں تو خرید و فروخت کا اندراج ہو جاتا ہے؛ لیکن خریدار کو دو دنوں کے بعد قیمت ادا کرنی ہوتی ہے اور بیچنے والا بھی دو دنوں بعد ڈیلیوری دیتا ہے، اس لئے دو دنوں کے بعد قبضہ کا تحقق ہوگا، اس سے پہلے شیئر کا بیچنا درست نہیں ہے، اس کا ایک فائدہ اخلاقی نقطہ نظر سے یہی ہے کہ اس طرح سٹہ بازی کو روکنا ممکن ہو سکے گا، رہ گئی کاغذی دستاویز، جو چند ہفتوں میں حاصل ہوتی ہے، تو قبضہ اس پر منحصر نہیں ہے، بلکہ اس کی حیثیت ملکیت کے ثبوت کی ہے؛ کیوں کہ قبضہ کے مقاصد اس کے بغیر بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔

یہ بھی — جیسا کہ مذکور ہوا — ایسی کمپنیوں کے شیئرز کے لئے ہے، جو منقولہ یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کئے جانے کے لائق اموال کی نمائندگی کرتا ہو، جو اموال قابل انتقال نہیں ہیں، جیسے زمین، تعمیرات یا ایسی مشینری جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کی جاسکتیں، ان کو امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مطابق تو قبضہ سے پہلے بھی بیچا جاسکتا ہے؛ لہذا اگر شیئر ایسے اثاثہ کی نمائندگی کرتا ہو تو اس کو بیچنے کے

لئے قبضہ بھی ضروری نہیں۔

اسی سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ Short Sale — جس میں شیئر خریدنے سے پہلے ہی اس توقع پر بیچ دیا جاتا ہے کہ سودا ہونے کے بعد یہ شیئر خرید لئے جائیں گے اور انہیں خریدار کو حوالہ کر دیا جائے گا — جائز نہیں۔

(۱۰) یہ بات جائز ہے کہ کوئی شی ادھار خرید کی جائے یا قیمت کا کچھ حصہ نقد ادا کر دیا جائے اور کچھ ادھار رکھا جائے: اس لئے Margin Sale اپنی اصل کے اعتبار سے جائز ہے، یہ شیئر کو مالک سے ادھار خریدنا یا قیمت کا کچھ حصہ بروکر سے بطور قرض حاصل کرنا ہے، لیکن اگر بروکر اصل خریدار سے ادائیگی میں تاخیر پر سود لینے کا معاملہ طے کرتا ہے، خواہ اس طرح طے کرے کہ وہ اس قرض پر لازماً سود لے گا یا اس طرح معاملہ طے کرتا ہو کہ ایک مخصوص مدت تک رقم ادا نہ کرنے پر سود ادا کرنا ہوگا، دونوں صورتیں ناجائز ہیں، ہاں، اگر سود کے لین دین کی بات نہ ہو اور بروکر بہ طور قرض اس کی طرف سے قیمت ادا کر رہا ہو، تو پھر اس کی گنجائش ہے۔

(۱۱) شیئر خریدنے کی ایک خاص صورت Forward Sale ہے، اسے اردو میں ”عائب سودا“ اور عربی میں ”بیع المستقبلیات“ کہا جاتا ہے، یہ جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ معاملات میں ایجاب و قبول کو مستقبل سے مشروط نہیں کیا جاسکتا، مثلاً کوئی شخص کہے کہ میں نے اپنا یہ مکان ایک ماہ کے بعد فروخت کیا، تو یہ خرید و فروخت درست نہیں ہے؛ اسی لئے فقہاء نے ضروری قرار دیا ہے کہ ایجاب و قبول کے لئے ماضی یا حال ہی کا صیغہ استعمال کیا جائے، مستقبل کا صیغہ استعمال نہ کیا جائے، مثلاً علامہ ”حصکفی“ فرماتے ہیں: ”وہما عبارة عن کل لفظین ینبیان عن معنی التملک والتملیک ماضیین کبعت و اشتریت أو حالین کمضارعین لم یقرنا بسوف والسنین کابیعتک فیقول: اشتریتہ، أو أحدهما ماض و الآخر حال“ (۱) — اور اس لئے بھی کہ اس صورت میں بیچنے والے کی طرف سے سامان اور خریدار کی طرف سے قیمت دونوں ادھار ہے اور دونوں طرف سے ادھار کا معاملہ جائز نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے: ”نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أن یباع

(۱) الدر المختار مع رد المحتار: ۲۴۷

کائی بکائی یعنی دینا بدین“ (۱) — البتہ مستقبل میں خرید فروخت کا وعدہ کیا جاسکتا ہے۔

(۱۲) Future Sale یعنی جس میں شیئر کا خریدنا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ قیمت کا برابر کرنا اور اس

پر ہونے والے نفع کو حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ ایک طرح کا ”جوا“ ہے۔

(۱۳) ایک سوال لوگوں کی طرف سے یہ سامنے آتا ہے کہ ایک بروکر لوگوں کے لئے بینک

اور کسی حرام کمپنی کا شیئر بھی خرید کرتا ہے اور جائز و حلال کاروبار پر مبنی کمپنی کا بھی، تو کیا کسی مسلمان کے

لئے یہ بات جائز ہوگی کہ ایسے شخص کے واسطے سے شیئر خرید کرے؟ — اس سلسلہ میں یہ بات ذہن میں

رکھنی چاہئے کہ جب آپ نے کسی شخص کو کسی خاص کام کے لئے وکیل بنایا تو اسی کے بارے میں آپ

جواب دہ ہیں، آپ نے جس کام پر مامور کیا ہے وہ جائز و حلال ہونا چاہئے، اس کے دوسرے کاموں کے

بارے میں آپ پر جواب دہی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ غیر مسلموں اور فاسقوں کو بھی اجیر بنانے اور مزدور

و ملازم رکھنے کی اجازت ہے؛ اس لئے ایسے بروکر کے واسطے سے شیئر خرید کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے،

اگر بروکر کچھ لوگوں کے لئے ناجائز کاموں پر مبنی کمپنیوں کا شیئر خرید کرتا ہے، تو وہ خود اس کے بارے میں

ذمہ دار ہے۔

(۱۴) بعض اوقات پیسے حاصل کرنے کے لئے شیئر کی خرید و فروخت کا حیلہ کیا جاتا ہے، اس

کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس نقد رقم تو نہیں ہے، لیکن شیئر موجود ہیں، وہ دوسرے سے کہتا ہے

کہ تم یہ شیئر مثلاً دس ہزار روپے میں خرید کر لو، ایک ہفتہ کے بعد میں ان ہی شیئرز کو بارہ ہزار روپے میں

خرید کر لوں گا، اس طرح یہ شیئر ایک ہفتہ کے بعد اسے واپس مل جاتا ہے، بروقت دس ہزار روپے اسے

حاصل ہو جاتا ہے اور قرض دینے والے کو دو ہزار روپے کا نفع حاصل ہو جاتا ہے، یہ صورت جائز نہیں ہے،

ایک تو خرید و فروخت کے وقت اگر کوئی ایسی شرط لگا دی جائے جس میں فریقین میں سے کسی کا فائدہ ہو، تو

معاملہ درست نہیں ہے، دوسرے یہ سود حاصل کرنے کی بالواسطہ کوشش ہے اور ایسے معاوضات کو فقہاء

نے حرام قرار دیا ہے، جس میں بالواسطہ طور پر اور حیلہ کر کے سود حاصل کیا جائے، اس طرح انسان اپنے

آپ کو تو دھوکہ دے سکتا ہے، اللہ کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: من کرہ أجلة بأجل، حدیث نمبر: ۲۲۱۲

(۱۵) شیئرز کی خرید و فروخت ہی کی ایک صورت ”میچول فنڈ“ کی ہے، میچول فنڈ میں بھی سرمایہ کار کے مشغول کئے ہوئے سرمایہ سے مختلف کمپنیوں کے شیئرز خرید کئے جاتے ہیں، تاکہ اگر کچھ کمپنیوں میں نقصان ہو جائے یا خاطر خواہ نفع نہ ہو پائے، تو دوسری کمپنیوں کے نفع سے اس کی تلافی ہو جائے، یہ صورت اپنی اصل کے اعتبار سے بہتر ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ جن کے یہاں حلال و حرام کا تصور نہیں ہے اور جن کا مقصد کسی بھی طریقہ پر نفع حاصل کرنا ہے، وہ اس بات کا اہتمام نہیں کرتے کہ سرمایہ جائز کاروبار والی کمپنیوں میں ہی لگایا جائے، ہاں، اگر کوئی مالیاتی ادارہ ایسا میچول فنڈ قائم کرے، جو سرمایہ کو حلال و جائز کاروبار پر مبنی کمپنیوں میں ہی مشغول کرے اور ان ہی کے شیئرز خریدے، تو اس کا نفع یقیناً جائز ہوگا، مسلمانوں کو چاہئے کہ مختلف تجارتی کمپنیوں کو ”حلال میچول فنڈ“ قائم کرنے پر توجہ دلائیں، اور انہیں فروغ دیں، کچھ عرصہ پہلے ٹائٹانے اس طرح کا میچول فنڈ قائم کیا تھا، مگر سوائے اتفاق کہ اسی زمانہ میں شیئر بازار میں ایک زلزلہ سا آگیا، اور ایسا انحطاط کا رجحان پیدا ہوا کہ بہت سے سرمایہ داروں کو خاصا نقصان اٹھانا پڑا، ٹائٹانے میچول فنڈ بھی اس کا شکار ہوا، نہیں معلوم کہ ٹائٹانے اس سلسلہ کو باقی رکھا ہے یا ختم کر دیا ہے؟ بہر حال بہ حالت موجودہ ہندوستان میں ”میچول فنڈ“ میں سرمایہ کاری کرنا جائز نہیں ہے۔

(۱۶) بہت سے لوگ یو، ٹی، آئی (U.T.I) کے بارے میں سمجھتے ہیں کہ اس میں سرمایہ کاری درست ہے؛ کیوں کہ اس میں نفع کی مقدار متعین نہیں ہوتی، نفع بڑھتا اور گھٹتا رہتا ہے، مگر یہ غلط فہمی برہمی ہے، — جیسا کہ عرض کیا گیا کہ کسی بھی کاروبار میں شرکت اسی وقت درست ہوتی ہے جب کہ اس میں نفع کے ساتھ ساتھ نقصان کے خطرہ کو بھی قبول کیا گیا ہو اور یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا (U.T.I) میں ایسا نہیں ہوتا، اس میں سرمایہ لگانے والے پر نقصان کی ذمہ داری نہیں ہوتی، اور کم سے کم نفع بھی متعین ہوتا ہے؛ اس لئے یہ صورت بھی جائز نہیں ہے۔

(۱۷) شیئرز سے قریب ہی ایک اور صورت باؤنڈز کی ہے، جس کو عربی زبان میں ”صکوک“ کہتے ہیں، اس میں گورنمنٹ رقم لیتی ہے اور رقم پر متعین نفع کا وعدہ کرتی ہے، اور ثبوت کے طور پر اس کی سرٹیفیکٹ جاری کرتی ہے، بعض لوگ اسے بھی شیئرز کی خرید و فروخت سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ غلط ہے، یہ خرید و فروخت نہیں ہے، بلکہ قرض کا لین دین ہے، سرمایہ دار قرض دیتا ہے، گورنمنٹ قرض لیتی ہے

اور قرض دینے والوں کو اس پر نفع دیتی ہے، یہ واضح طور پر سودی معاملہ ہے؛ کیوں کہ قرض پر نفع حاصل کرنا بالاتفاق سود ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو نفع قرض پر حاصل کیا گیا، وہ سود ہے: ”مکل قرض جہ نفعاً فهو ربا“۔ (۱)

موجودہ دور میں خاص کر ہندوستان میں سرمایہ کاری کی جو صورتیں مروج ہیں، وہ زیادہ تر سود کے لین دین پر مبنی ہیں، بینک میں رقم فکس ڈپازٹ کرائی جائے، سیونگ اکاؤنٹ میں رقم رکھی جائے، باؤنڈز خریدے جائیں، یوٹی آئی میں سرمایہ مشغول کیا جائے، انشورنس پالیسی میں رقم مشغول کی جائے، ہر جگہ سود اور بعض صورتوں میں سود کے ساتھ ساتھ قمار بھی موجود ہے، دوسری طرف حلال کاروبار کے نام پر جو پرائیوٹ مالیاتی ادارے قائم ہوئے، انھوں نے اس طرح دھوکہ اور بددیانتی کا ثبوت دیا اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا کہ ان پر سرمایہ کاروں کا اعتماد باقی نہیں رہا، جن اداروں پر گورنمنٹ کی نگرانی اور قانونی گرفت موجود نہ ہو، ان میں ایسے واقعات کا پیش آنا چنداں باعث تعجب نہیں، ان حالات میں ”شیر مارکٹ“ سرمایہ کاری کی ایک ایسی جگہ ہے، جہاں مسلمانوں کے لئے اپنے سرمایہ کو مشغول کرنے کا موقعہ حاصل ہے، بلکہ اس کے لئے وسیع مواقع فراہم ہیں، بشرطیکہ حلال و حرام کے بارے میں معلومات مہیا ہوں اور شیر مارکٹ کے بارے میں تجربہ اور واقفیت ہو۔

اللہ کا شکر ہے کہ ادھر چند سالوں سے ہندوستان میں بعض ایسے ادارے قائم ہوئے ہیں، جو براہ راست یا بالواسطہ شیر مارکٹ میں خرید و فروخت کا حق رکھتے ہیں، انھوں نے اس عہد کے فقہاء کے بتائے ہوئے اصولوں کی روشنی میں ان کمپنیوں کی فہرست بندی بھی کی ہے، جن کا کاروبار حلال بنیادوں پر ہے اور ان کے شیرز کا خرید کرنا جائز ہے، وہ شیر کے خرید و فروخت کا تجربہ بھی رکھتے ہیں اور جو لوگ ان کے واسطے سے خرید و فروخت کرتے ہیں، انھیں زیادہ سے زیادہ نفع پہنچانے اور نقصان سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں، اس سلسلہ میں حیدرآباد سے ”ہدایہ“ Hidayaa (ای میل: www.hidayaa.com) (فون نمبر: 040-23348430) اور ”اضافہ“ Idafa (فون نمبر: 9122-23438533 ای میل: idafa.com) kreyaz@hotmail.com نیز ممبئی سے ”پارسولی“ Parsoli کا خاص طور پر ذکر کیا جاسکتا ہے، لوگوں کی

سہولت کے لئے ان اداروں کی ویب سائٹیں بھی موجود ہیں، ممکن ہے ملک میں ان کے علاوہ اور ادارے بھی کام کر رہے ہوں، پھر اہم بات یہ ہے کہ شیئر مارکٹ میں پیش آنے والے بعض واقعات کے بعد گورنمنٹ نے مختلف قوانین کے ذریعہ سرمایہ کاروں کو خیانت دھوکہ سے بچانے کی موثر اور نتیجہ خیز قانونی کوشش بھی کی ہیں، چنانچہ اب رقم براہ راست شیئر خریدنے والے کے کھاتے سے منتقل ہوتی ہے اور بچنے والے کے کھاتہ میں پہنچتی ہے، بروکر کی تحویل میں رقم آتی ہی نہیں ہے، اسے صرف اپنی کارکردگی پر کمیشن ملتا ہے؛ اس لئے اس میں خیانت کا زیادہ اندیشہ نہیں ہے۔

اس طرح موجودہ حالات میں ہندوستان میں ”شیئر بازار“ ہی ایسی جگہ ہے، جہاں مسلمان اپنا سرمایہ مشغول کر سکتے ہیں اور شرعی اصولوں کے مطابق نفع حاصل کر سکتے ہیں، یہ اگر شرعی قباحتوں سے مکمل طور پر محفوظ نہیں ہے، تو بھی کم سے کم قباحت پر مبنی ہے، اور موجودہ حالات میں ارباب افتاء کی رائے کے مطابق اس کو گوارا کیا جاسکتا ہے۔

